سُورَةُ التِّین

یہ مکی سورتوں میں سے ہے اور اس کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جزا اور سزا کا قانون اٹل اور لازمی ہے، سورۃ کے آغاز میں چار مقامات کا ذکر بطور شہادت کے پیش کیا گیا ہے۔ ''وَالتِّیْنِ'' (انجیر) سے اشارہ، ارض مقدس ہے جس میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ جل جلالہٗ کی توحید اور کبریائی کا اعلان کیا تھا۔ انہیں اللہ کی طرف سے کتاب ہدایت انجیل عطا کی گئی تھی۔ ''ارض زیتون'' سے مراد ملک شام ہے کہ اس سرزمین مقدس میں جلیل القدر انبیاء کرام لوگوں کو دعوت حق دینے کے لیے تشریف لاتے رہے اور ''طور سینا'' سے مراد وہ پہاڑ ہے جہاں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنے رب سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ انہیں اللہ کی طرف سے کتاب ''توراۃ'' عطا کی گئی اور انہیں اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ساتھ ''فرعون'' کے دربار میں دعوتِ توحید کے لیے بھیجا گیا اور ''الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ'' میں اشارہ مکہ مکرمہ کی طرف ہے جہاں خاتم النبیین، سید المرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن مجید ایسی عظیم کتاب سے نوازا اور عالم انسانیت کا رہبر و رہنما بنایا اور انہوں نے اُسی دعوت حق کو اہل عرب اور دنیا کے سامنے پیش کیا جس کا اعلان سابقہ انبیاء کرام اپنی اپنی قوم میں کرتے رہے تھے، یہ کوئی انوکھا مذہب نہیں ہے بلکہ وہی دین ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمیشہ ہمیشہ سے پسندیدہ دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ''اسلام'' کا نام دے رکھا ہے۔ قرآن مجید میں تمام انبیاء کی بنیادی دعوت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

''(اے رسولؐ) ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے، اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ہے۔ پس تم لوگ میری بندگی کرو۔'' (الانبیاء: ۲۵) تو جو لوگ دعوتِ حق کو مان لیتے ہیں اور نیکی کی راہ پر چل پڑتے ہیں اُن کی دنیا اور آخرت سنور جاتی ہے اور جو لوگ خواہشات نفس کے غلام بن جاتے ہیں وہ قعر مذلت میں جا گرتے ہیں۔

سُوْرَةُ التِّیْن

آیات:۸ رکوع:۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ(۱) وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ(۲) وَھٰذَا الْبَلَدِ
الْاَمِیْنِ(۳) لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ(۴)
ثُمَّ رَدَدْنٰـہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ(۵) اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ فَلَھُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ(۶) فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعْدُ
بِالدِّیْنِ(۷) اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ(۸)

قسم ہے انجیر اور زیتون اور طورِ سینا اور اس امن والے شہر کی، ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا پھر ہم نے اسے پست ترین حالت میں ڈال دیا، مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے، تو (اے انسان!) کونسی چیز تجھ سے جزا کی تکذیب کرا رہی ہے؟ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟

﴿وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ، وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ، وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ﴾

قسم ہے انجیر اور زیتون اور طور سینا اور اس امن والے شہر کی۔

وَ قسم ہے، وَ قسمیہ اور قسم بمعنی شہادت اور گواہی کے ہوتی ہے۔ اس کائنات میں رب کائنات کی کبریائی وعظمت کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے۔ ”وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ“(الاسراء:۴۴) ”کوئی چیز نہیں مگر اس کی تسبیح سے رطب اللسان ہے۔“

'التِّيۡنِ' انجیر مشہور پھل ہے یعنی جہاں بہت زیادہ انجیر ہوتی ہے یا انجیر والا شہر (ناصرہ) جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا مولد و مسکن ہے، وَ الزَّیۡتُوۡنِ، اور قسم ہے زیتون کی، جہاں زیتون کی کثرت ہوتی ہے یا زیتون والا شہر یعنی ملک شام جہاں جلیل القدر انبیاء تشریف لاتے رہے، وَ طُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ، اور قسم ہے طور سین پہاڑ کی، وہ پہاڑ مراد ہے جہاں جلیل القدر پیغمبر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا، وَ هٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ اور قسم ہے اس امن والے شہر کی جہاں خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ یعنی مکہ مکرمہ۔

مولانا محمد حنیف ندوی لکھتے ہیں:

''اس وقت جبکہ دنیا میں انسانیت کی توہین ہو رہی تھی اور انسانیت کے لیے خود انسانوں کے دلوں میں کوئی جذبۂ عزت و احترام نہ تھا، اس وقت جب پتھر پجتے تھے، درخت محترم تھے، دریا مقدس تھے، قبریں اور مزار قابل عزت و شرف تھے، انسان کی حیثیت محض حقیر پجاری کی تھی۔ اس وقت جبکہ کلیسا سے انسان کو ہمیشہ کی گنہگاری کا سرٹیفکیٹ مل چکا تھا اور ہندو نقطہ نگاہ سے اس کی تناسخ کے آہنی چکر سے رہائی ناممکن تھی اور یہ موجودہ زندگی سابقہ کئی ہزار گناہوں کا نتیجہ قرار دی جا رہی تھی۔...... اسلام اٹھا اور اس نے انسانی شرف و فضیلت کے عالم بوسیدہ کو پھر سے جلا دی اور علی الاعلان کہا کہ انسان کو بہترین انداز میں پیدا کیا گیا ہے، یہ اس لیے نہیں منصۂ شہود پر آیا ہے کہ شجر و حجر کے سامنے سر جھکائے بلکہ اس لیے آیا ہے کہ ساری کائنات اس کے سامنے جھکے اور اس کی بزرگی اور برتری کا اقرار کرے۔ یہ انسان فطرت کے اعتبار سے گنہگار نہیں ہے اور اپنی ساخت (شکل و صورت) کے اعتبار سے اشرف المخلوقات ہے۔ پہلی دفعہ دنیا میں آیا ہے کہ بر و بحر میں اپنی قابلیت کا علم گاڑ دے، ثبوت یہ ہے کہ انسانی عظمت و بزرگی کی تاریخ پر غور کرو، ارض تین (فلسطین) کو دیکھو جس میں مسیح علیہ السلام نے اپنی رفعت کا اعلان کیا، ارض زیتون یعنی ملک شام کو ملاحظہ کرو کہ بڑے بڑے جلیل القدر انبیاء کا مہبط و مسقط (مرکز) ہے، طور پر جلوہ فرمائی کے واقعات پر غور کرو کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی جلالت و بزرگی پر شاہد ہے اور پھر فخر موجودات، سید الکونین اور صاحب بلد امین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان دیکھو، تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ انسانیت کا رتبہ کتنا بلند ہے یہ وہ تعلیم ہے جو انسانیت کے افق کو تابناک اور روشن بنا دیتی ہے اور جس کی وجہ سے انسان اس قابل

ہو جاتا ہے کہ اس دنیا کی تگ ودو میں حوصلہ مندانہ حصہ لے۔'' (تفسیر سراج البیان، ج:۵)

﴿لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ﴾

''ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا ہے۔''

لَقَدۡ (یقیناً) لام تاکید کے لیے، قَدۡ حرف تاکید یعنی 'لَقَدۡ' میں انتہائی زور اور تاکید ہے، ضرور بضرور بلا شک وشبہ، خَلَقۡنَا ہم نے پیدا کیا، فعل ماضی جمع متکلم، اللہ وحدہ لاشریک کے لیے جمع کا صیغہ بطور عزت وتکریم کے لیے آیا ہے (خَلَقَ، یَخۡلُقُ، خَلۡقًا)، الۡاِنۡسَانَ بنی نوع انسان، اس سے مراد تمام انسان ہیں، فِیۡ درمیان (میں) حروف جارہ میں سے ہے جو بعد والے حرف کو زیر دیتے ہیں، اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ اچھی حالت میں، بہترین شکل وصورت میں اَحۡسَنِ، عمدہ اچھی، تَقۡوِیۡمٍ، ساخت (شکل وصورت)۔

الاستاذ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بہترین شکل وصورت، عمدہ صفات وعادات، مناسب قد وقامت، علم وفہم سے آراستہ، عقل وشعور سے پیراستہ اور نطق وکلام سے بہرہ ور فرمایا ہے۔'' (صفوۃ التفاسیر)

﴿ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ﴾ پھر ہم نے اسے پست ترین حالت میں ڈال دیا۔

ثُمَّ پھر، رَدَدۡنٰهُ (رَدَدۡنَا. ہُ) ہم نے ڈال دیا (الٹ دیا) اسے رَدَدۡنَا، ہم نے ڈال (الٹ) دیا۔ رب کریم کے لیے جمع متکلم کا صیغہ بطور عزت کے آیا ہے، (رَدَّ، یَرُدُّ، رَدًّا) الٹانا۔ لوٹانا، پھیر دینا ''ہُ'' کی ضمیر بنی نوع انسان کی طرف جاتی ہے۔ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ انتہائی پستی کی حالت میں۔ اَسۡفَلُ، (اَفۡعَلُ کے وزن پر اسم تفضیل) ذلیل ترین۔ اسی سے سَافِلٌ (اسم فاعل) ذلیل، پست، اس کی جمع سَافِلُوۡنَ نصبی اور اضافی حالت میں سَافِلِیۡنَ، اردو کا لفظ سفلہ (کمینہ) اور سفلہ پن (کمینگی) اسی سے ہے۔

الاستاذ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں:

''جب انسان نے اپنی قدر ومنزلت کو نہ پہچانا اور حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت کا اہتمام نہ کیا اور ہماری فرمانبرداری کو اس نے فراموش کر دیا تو ہم اسے پست ترین حالت میں لوٹا دیں گے اور وہ جہنم ہے۔'' (صفوۃ التفاسیر)

﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَھُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ﴾

مگر جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان کے لیے بے انتہاء اجر ہے۔

اِلَّا مگر، الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ جو ایمان لائے، الَّذِیْنَ جو اسم موصول (اٰمَنَ، یُؤْمِنُ، اِیْمَانًا) ایمان لانا، وَعَمِلُوا اور انہوں نے عمل نیک کیے ماضی جمع مذکر غائب (عَمِلَ، یَعْمَلُ، عَمَلًا) عمل کرنا، الصّٰلِحٰتِ اچھے (نیک)، اس کا مفرد الصّٰلِحَۃُ ہے فَلَھُمْ (ف۔لَھُمْ) پس۔ ان کے لیے (ہے) ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب ان کے لیے ہے (جو نیک عمل کرتے ہیں) اَجْرٌ اجر، ثواب، غَیْرُ مَمْنُوْنٍ بے انتہا، لازوال، نہ منقطع ہونے والا، غَیْرُ نہ، مَمْنُوْنٍ منقطع۔

الاستاذ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں:

''ان کے لیے اجر وثواب دائمی اور ابدی ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا اور وہ اہل تقویٰ کے لیے جنت کا گھر ہے۔'' (صفوۃ التفاسیر)

﴿فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ، اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ﴾

تو (اے انسان) کونسی چیز تجھ سے جزا کی تکذیب کرا رہی ہے کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟

فَمَا (ف۔مَا) پس، کونسی (بات) ''مَا'' استفہامیہ ہے، مَا یعنی جزا کو جھٹلانے کا کون سا سبب ہے؟ (تفسیر مدارک)، یُکَذِّبُکَ (یُکَذِّبُ۔کَ) تکذیب کراتی ہے، فعل مضارع واحد مذکر حاضر 'کَ' کی ضمیر واحد مذکر حاضر جھٹلانے والے اور کفر کرنے والے انسان کی طرف جاتی ہے، بِالدِّیْنِ (بِ۔الدِّیْنِ) قیامت (جزا) کے بارے میں.

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

''یعنی اللہ کی قدرت کے اتنے شواہد دیکھ کر بھی اے ناشکر گزار اور کافر انسان، تو آخر کس دلیل سے یوم جزا کا منکر ہو رہا ہے؟ (تفسیر ماجدی)

اَلَیْسَ اللّٰہُ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ، بِاَحْکَمِ بہت بڑا حاکم، الْحٰکِمِیْنَ حکومت کرنے والوں

میں (سے)۔

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

''(اے ناشکرے انسان!) ایسی موٹی بات بھی تیری سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ تو ہر تصرف پر قادر ہے اور وہی سب حاکموں کے اوپر حاکم ہے، تو وہ آخری عدالت برپا کیے اور ہر ہر جزئی کا آخری صحیح و صادق فیصلہ کیے بغیر کیسے رہ سکتا ہے۔ یوم الحساب کا وقوع تو حق تعالیٰ کے حاکم اعلیٰ ہونے کا عین قدرتی نتیجہ ہی ہونا چاہیے۔ (تفسیر ماجدی)

آیاتِ مبارکہ کی حکمت وبصیرت:

۱) انبیاء علیہم السلام کی دعوت وتبلیغ کا مرکزی نقطہ رب کائنات کی بندگی اور اس کے احکام کی مکمل پیروی رہا ہے۔ ان نفوس قدسیہ کا زیادہ تر تعلق عرب ممالک خصوصاً مکہ مکرمہ، مصر کے جزیرہ نمائے سینا، شام اور فلسطین سے رہا ہے۔ یہ پاکباز نفوس دوسرے انسانوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دیتے رہے تو ان کی اپنی زندگیاں بھی حق وصداقت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی تھیں، انہیں بطور ثبوت پیش کرتے ہوئے اس حقیقت کی طرف ہماری توجہ دلائی جارہی ہے کہ وہ سارے بزرگ ''احسن تقویم'' بن کر انسانی شرف وعظمت کے آئینہ دار رہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا ہے اور اسے عقل وشعور کی عمدہ صلاحیتوں سے نوازا ہے تا کہ وہ نیابت الٰہی کا فریضہ ٹھیک ٹھیک ادا کر سکے، اگر وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو اس کی مرضی اور منشا کے مطابق استعمال کرے تو وہ اشرف المخلوقات کہلانے کا حقدار ہو جاتا ہے، اس کے برعکس اگر وہ شیطانی مقاصد اور اپنی بے لگام نفسانی خواہشات کا شکار ہو جائے تو پھر وہ ذلیل ترین مخلوق کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اچھے اور برے، خیر اور شر دونوں راستوں کی واضح طور پر نشاندہی کر دی ہے اور اس کا قانونِ جزاوسزا یہ ہے کہ نیک اعمال پر لازوال اجروثواب عطا فرماتا ہے جو آخرت میں جنت کی صورت میں ظاہر ہوگا اور نافرمانیوں اور سرکشیوں پر اس کی گرفت ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ آخرت میں دوزخ کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

..................o..................